خواجہ میر درد اور ان کے افکار

سخاوت مرزا*

خواجہ میر درد دہلوی ہندوستان کے بارھویں صدی ہجری کی ایک مشہور شخصیت ہیں ۔ وہ اپنی اردو شاعری کی وجہ سے بہت معروف ہیں ، مگر ان کو مختلف علوم و فنون ، معقول و منقول اور تصوف میں بڑا کمال حاصل تھا ۔ وہ بہت بڑے معلم اخلاق اور مفکر تھے ۔ ان کی تصانیف کا پایہ بہت بلند ہے ۔ خواجہ میر درد کو دوبارہ اس حیثیت سے زندہ کرنے کی ضرورت ہے ۔

آباو اجداد : خواجہ میر درد ایک مشہور صوفی خاندان سے ہیں جن کا سلسلہ نسب بارھویں واسطے سے خواجہ بہاؤالدین نقشبند[1] تک پہنچتا ہے ۔ آپ کے والد ماجد خواجہ محمد ناصر نے اپنے رسالہ "ہوش افزا"[2] میں تحریر فرمایا ہے کہ میرے مورث اعلیٰ خواجہ محمد طاہر نقشبندی ابن خواجہ عوض بخاری اوائل عہد شہنشاہ اورنگ زیب (۱۰۶۹ - ۱۱۱۸ھ) میں بخارا سے دہلی تشریف لائے ۔ مؤلف مآثر الامرا[3] نے لکھا ہے کہ ان کے جد کا نام خواجہ محمد نصیر تھا ۔ مگر بلحاظ شجرۂ خاندانی خواجہ ناصر کا بیان مستند ہے ۔ غرض اورنگ زیب خواجہ طاہر کا بڑا احترام ملحوظ رکھتا تھا ۔ کچھ عرصے کے بعد آپ حرمین تشریف لے گئے ۔ آپ کے تین صاحب زادے تھے : خواجہ سید محمد صالح ، خواجہ سید محمد یعقوب اور خواجہ سید محمد فتح اللہ ۔ اول الذکر دونوں بھائیوں کی شادی شہزادہ مراد بخش کی لڑکیوں سے خود اورنگ زیب نے کرا دی تھی اور خواجہ سید فتح اللہ سے نواب سر بلند خاں نقشبندی میر بخشی کی ہمشیرہ سے کرا دی تھی ۔ انہیں خواجہ فتح اللہ کے صاحب زادے خواجہ ظفر اللہ ، خواجہ میر درد کے جد امجد تھے جنہیں عالمگیر کی وفات

*جناب سخاوت مرزا ، کراچی کے مشہور ادیب ۔ اس مضمون میں خواجہ میر درد کے حالات زندگی کے علاوہ ان کی مشہور کتاب "علم الکتاب" کے چند موضوعات کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

۱۔ میخانۂ درد مؤلفہ خواجہ ناصر نذیر فراق دہلوی (مطبوعہ دہلی ۱۹۱۰) ، ص ۷ - ۱۸ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۴ ۔

۳۔ مآثر الامرا جلد ۲ ، ص ۳۳۳ ۔

کے بعد رفیع الشان نے پانزدہ صدی منصب پر نواب ظفر اللہ خاں کے خطاب کے ساتھ سرفراز کیا ۔ معرکۂ لاہور میں شہزادہ رفیع الشان اور اس کی اولاد کے قتل کا ان کو بڑا صدمہ ہوا اور ملازمت ترک کر کے سلسلہ چشتیۂ صابریہ میں حضرت میراں بھیک کے مرید ہو کر خانہ نشین ہو گئے ۔ جب فرخ سیر اور جہاندار شاہ میں جنگ چھڑ گئی تو بایماء حضرت میراں بھیک[۴] فرخ سیر کے پاس حاضر ہوئے ۔ سادات باریہ نے فرخ سیر سے ظفر اللہ کی تعریف کی ۔ فرخ سیر نے بخشی سوم کے رتبہ اور پنج ہزاری منصب سے نیز ظفر خاں رستم جنگ کے خطاب سے ممتاز کیا ۔ جب فرخ سیر نے جہاندار شاہ پر فتح پائی تو ہفت ہزاری منصب اور یار وفادار رستم جنگ روشن الدولہ کا خطاب عطا ہوا ۔ آپ بڑے غربا پرور تھے ، سواری نکلتی تو اشرفیاں لٹاتے ۔

والد ماجد : خواجہ محمد ناصر پدر بزرگوار خواجہ میر درد انھیں کے فرزند تھے جو ۱۱۰۵ھ میں پیدا ہوئے ۔ انھوں نے اپنے جد امجد خواجہ فتح اللہ اور پدر بزرگوار خواجہ ظفر اللہ کے زیر عاطفت تعلیم و تربیت پائی[۵] ۔ علوم معقول و منقول میں تبحر پیدا کیا - فن سپہگری کے بھی ماہر تھے ۔ آپ بعمر ۲۰ سال شاہی ملازمت میں منسلک ہو گئے ۔ قرائن یہ ہیں کہ بحیثیت سردار لشکر پینتیس سال تک آپنے اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دیے ۔ جب جدامجد اور والد ماجد نواب روشن الدولہ کا انتقال ہو گیا اور ملک میں طوائف الملوکی اور افراتفری پھیل گئی تو آپ کا دل دنیا سے سرد ہو گیا اور آبائی نسبت نقشبندی کی وجہ سے دنیا کو خیر باد کہا ۔ گھر بار ، زر و جواہر لٹا کر عبادت الٰہی اور ریاضت میں مشغول ہو گئے ۔ خلوت گزینی اور سخت ریاضت کے دوران ایک رات حضرت امام حسن[۶] کو خواب میں دیکھا ۔ سات روز تک یہی سلسلہ جاری رہا اور آپ کے فیض سے کماحقہ مستفید ہوئے ۔ اپنا طریقہ حسب ایماء حضرت امام حسن بنائے حسنی کے محمدی قرار دیا اور حسب ارشاد حضرت ممدوح عالم ظاہری میں حضرت خواجہ محمد زبیر نقشبندی[۷] ابن خواجہ حجت اللہ نبیرۂ حضرت مجدد الف ثانی سے بایماء سید سعد اللہ گلشن نقشبندی بیعت کی اور خلافت سے ممتاز ہوئے ۔

اویسی طریقۂ صوفیاء کرام حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے ۔

۴- میخانۂ درد ، ص ۱۴ ۔
۵- ایضاً ، ص ۲۲ ۔
۶- ایضاً ، ص ۲۳ ۔
۷- ایضاً ، ص ۱۴ ۔

حضرت اویس رضؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غائبانہ عشق و محبت تھی اور فیض و برکات نبوی سے مستفیض ہوئے تھے ، جو مخفی نہیں ۔ اس طرح اولیاء اللہ نے عالم روحانی میں جو بزرگان دین سے فیض حاصل کیا ہے اس کو اویسی نسبت کہتے ہیں ۔ خواجہ ناصر کو حضرت امام حسن سے اویسی نسبت حاصل تھی ۔ انھوں نے ہزارہا بندگان خدا کو فیض پہنچایا اور ۱۱۷۲ھ میں واصل بحق ہوئے[۸]۔ آپ کے جانشین آپ کے فرزند حضرت خواجہ میر درد دہلوی ہوئے ۔ خواجہ ناصر عندلیب تخلص کرتے تھے ۔ آپ کی مشہور معرکتہ الآرا ضخیم تصنیف مثل حدیقۂ حکیم سنائی الموسوم بہ نالۂ عندلیب (۱۱۵۳ھ) ہے جس کو نواب صاحب بھوپال نے طبع و شائع کرایا تھا ۔ دوسری تصانیف میں دیوان فارسی اور رسالہ ہوش افزا یعنی شطرنج نامہ کا ذکر مؤلف میخانۂ درد نے کیا ہے ۔ دیوان فارسی حسب بیان مؤلف مذکور تلف ہوگیا ۔

نالۂ عندلیب کے بعض ابواب ، علم الکتاب[۹] مصنفہ خواجہ درد میں موجود ہیں ۔ نیز حضرت عندلیب نے بعض مصنوعات بھی ایجاد کی تھیں مثلاً خیمۂ رواں ، خانۂ رواں حمام ، پلنگ سفری ، شمع بے دمع ، لوائے محمدی وغیرہ ۔ آپ کے مزار پر کتبے کے ساتھ یہ رباعی بھی کندہ ہے :

محبوب خدا خواجہ محمد ناصر　　حق راہ نما خواجہ محمد ناصر
ہادی وشفیع ودستگیر ہمہ ہا　　در ہر دوسرا خواجہ محمد ناصر

مؤلف میخانہ نے بعض ملفوظات ''جرعات'' کے نام سے نقل کیے ہیں ۔ دو ایک یہ ہیں : اناالحق کہنا کفر ضرور ہے مگر اناالحق کہنے سے تکفیر لازم نہیں آتی کیونکہ لفظ حق باطل کے مقابلے میں ہے ؛ وحدۃ الوجود کا قائل ایک گروہ[۱۰] محبت کے غلبہ میں ہمہ اوست کہتا ہے مثلاً انالیلیٰ ، ان کو مجذوب سمجھو وغیرہ ۔

خواجہ میر درد : خواجہ درد بتاریخ ۱۹ ذیقعدہ ۱۱۳۳ھ عالم وجود میں آئے ۔ نانا جان نے ان کا نام بطور تفاول خواجہ میر رکھا اور جب ہوش سنبھالا تو معلوم یہ ہوتا ہے الم کے مرادف لفظ درد بطور تخلص تجویز کیا ۔ اور بھی نام نانا صاحب کے عطیہ ہیں مثلاً نورالناصر ، ابن الامام ، درد حبیب وغیرہ ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ طفلی ہی میں بلبل ہزار داستان تھے اور آپ کا دل تجلیات الٰہی کا مرکز تھا ۔ تیرہ سال کی عمر میں دروس مروجہ عربی و فارسی کی تکمیل کی ۔ فارسی علم

۸- میخانۂ درد ، ص ۸۶ - ۹۸ -
۹- علم الکتاب ، مصنفہ خواجہ میر درد ، مطبوعہ دہلی ، ص ۳۹۱
۱۰- میخانۂ درد ، ص ۱۱۸ -

و ادب کچھ دنوں علامہ خان آرزو (سراج الدین علی خان) سے حاصل کیا اور مولوی دولت سے مثنوی مولانا روم کے دقائق سے بہرہ اندوز ہوئے ۔ ہندی موسیقی میں بھی کمال مہارت پیدا کی ۔ کتب ہندی اور سنسکرت متعلقہ کتب موسیقی مطالعہ کیں ۔ سروں کے نام نوک زبان تھے ۔ بقول مصحفی[۱۱] ابتدا میں سپاہی پیشہ تھے ۔ بعمر ۲۸ سال فقیری اختیار کی جب کہ ان کے والد ماجد نے تقریباً ۱۱۶۱ھ[۱۲] میں امارت کو خیر باد کر کے درویشی کو ترجیح دی تھی ۔ اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر اویسیہ طریقہ محمدی میں بیعت ہوئے ، نیز آپ کا طریقہ مجددیہ نقشبندیہ تھا ۔ آپ نے اپنے والد ماجد کی زندگی ہی میں شعر گوئی اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع فرما دیا تھا ۔ آپ کے والد ماجد آپ کی تحریر اور نکات معارف کو سن کر باغ باغ ہو جایا کرتے تھے ۔ عالم شباب ہی میں آپ پر وجد و حال کا غلبہ رہا کرتا تھا ۔ چنانچہ علم الکتاب میں ایک جگہ فرماتے ہیں :

''در اوائل حال کہ حقیقت توحید وجودی بشرح و بسط تمام مکشوف گشتہ بود و حالت وحدت و اتحاد بقوت تمام بر قلب استیلا داشت و کیفیت عرفانی شدت جوانی خود ظاہر می کرد دراں ہنگام اکثر اشعار بے اختیار مشعر بر ہمیں مذاق از طبع ناقص سرمی زد چنانچہ رباعی اول ایں وارد موزوں در ہماں ایام شدہ و ہمرنگ شعرے و بندوبست شاعری و لطایف و ظرائف ایں فن و تناسب الفاظ و معنی یابی در موزوں کردن مضمون بستن مداخلت و مشارکت دارد و ہمہ اشعار مطابق معتقدات شاعر بودن ضرور نیست و در ہر شعر مسئلہ منقی بر آوردن واجب نہ ۔ الخ''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ پہلے فارسی شعر کہا کرتے تھے اور قرینہ یہ ہے کہ آپ کا فارسی دیوان ۱۱۷۹-۱۱۸۰ھ تک مرتب ہو چکا تھا ۔ چنانچہ آپ نے اپنی رباعیات فارسی کی شرح صحیفہ واردات کے نام سے لکھی ہے ۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً تیس سال تھی ۔

اخلاق و اعادات[۱۳] اور اشغال : آپ نہایت خلیق ، منکسر المزاج ، خود دار ، غیور اور قانع تھے ۔کسی امیر کے گھر جانا پسند کرتے تھے نہ کسی دولتمند کے حتیٰ کہ بادشاہ وقت کا آنا بھی پسند نہ تھا ۔ توکل کا یہ حال تھا کہ آپ کو فاقہ کشی

۱۱- تذکرۂ ہندی مطبوعہ و تاریخ ادب اردو از سکسینہ ۔
۱۲- میخانہ درد ، ص ۸۴ ۔ یک ہزار و یک صد و چند سال لکھا ہے ۔
۱۳- میخانہ درد ، ص ۱۳۹-۱۴۹ ۔

منظور تھی کسی کے در پر نہ جھکے ۔ بادشاہ یا کسی امیر کی طرف سے خوان آنے پر یا کسی کے یہ کہنے پر کہ غیب سے خوان آئے ہیں مسجد کے مسافروں کو تقسیم فرما دیتے ، کبھی اپنی صاحبزادی کے اصرار پر قبول کر لیتے ۔ آپ کے تقدس کی دور دور شہرت تھی ۔ آپ کی مجلسوں میں علماء فضلا اور مشائخ کا مجمع رہتا تھا ۔ شاہ عالم بادشاہ وقت نے ملنے کی بہت آرزو کی ۔ کبھی آیا بھی کرتا تھا مگر آپ نے فرمایا کہ آپ کے آنے سے نفس موٹا ہوتا ہے ، تکلیف نہ فرمائیے ۔ ایک مرتبہ بلا دعوت کے شاہ عالم تشریف لائے ۔ پیر میں درد کی وجہ سے پاؤں پھیلا دئیے ۔ آپ نے اس کو آداب مجلس کے خلاف سمجھا اور بیباکی سے فرمایا : پیر میں درد تھا تو کیوں زحمت فرمائی ۔

اہل کمال مشہور شعرا میں مرزا سودا[۱۴] سے آپ کے قریبی مراسم تھے ۔ جب طوائف الملوکی اور خلفشار کی وجہ سے لوگ دہلی چھوڑ کر جانے لگے تو آپ اس سے مطلق پریشان نہیں ہوئے اور دہلی ہی میں جمے رہے[۱۵] ۔ مرزا سودا جانے لگے تو ان کو بھی روکا ، جس کا ذکر سودا نے اپنی ایک رباعی میں کیا ہے :

کرتا ہوں کہیں جانے کا جس وقت میں عزم درد آن کے سودا مرے پکڑے ہے قدم

زیادہ تر والد ماجد کی درگاہ پر حاضری دیتے ، جاروب کشی درگاہ پسند تھی ۔

اپنے مقامات اور مراتب کے متعلق فرمایا کہ جامعیت محمدیہ کی تمام نسبتیں میری ذات میں جمع ہیں ۔ دین کے حدود کا لحاظ رکھتا ہوں ۔ سیادت طرفین سے بہرہ یاب ہوں ، بقول صوفیا کرام ولایت آدم و داؤد حاصل ہے ۔ حضرت ابراہیم نے آتش غضب بجھا دی ۔ حضرت اسماعیل نے نفس کے گلے پر چھری پھیر دی ۔ رسول اللہ کی ذات میں مجھے فنا کر دیا گیا ۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتے ۔ اس کے بعد اپنے حجرے میں تنہا دریائے وحدت میں مستغرق رہتے ، تعویذ گنڈوں سے احتراز کرتے ۔ آپ کے مشاعرے بھی مشہور تھے ۔ باکمال شعرا ، میر و سودا ، سوز و فغاں وغیرہ شریک ہوتے ۔ فن موسیقی کے مظاہرے ہوتے ، مجلس سماع بھی گرم رہتی ۔ میاں فیروز خاں اپنے زمانے کے زبردست ماہر موسیقی اپنی موسیقی کے کمالات سے محظوظ کرتے ۔

یہ فرماتے کہ میں نغمہ و سرود کو فاسقوں اور فاجروں کی طرح نہیں سنتا

۱۴ - سودا ، مؤلفہ شیخ چاند ، ص ۶۱ ، مطبوعہ کراچی ۔
۱۵ - میخانۂ درد ، ص ۱۳۹ ۔

ہوں جو معشوقان مجازی کے فریفتہ اور ان کی چشم نرگسیں پر فریفتہ ہوتے ہیں اور نہ صوفیوں کی طرح مغلوب الحال ہو جاتا ہوں ۔ راگ اور موسیقی ریاضی کی ایک پُر میوہ شاخ ہے[۱۶] ۔

معاصرین میں مرزا مظہر جان جاناں ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تھے ۔ مولانا فخر الدین کلیم اللہی[۱۷] کبھی کبھی آپ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے ۔

وفات : آپ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میری موت لاعلمی میں نہ ہوگی ۔ مجھے مرنے سے پہلے آگاہ کیا جائے گا ۔ چنانچہ ۲۴ شعبان ۱۱۹۹ھ کو آپ نے اپنی رحلت کی اطلاع دی (شمع محفل) ۔ فرمایا کہ بتقدیر الٰہی حسن اتفاق سے میری تصانیف کے مسودات مکمل ہوگئے ۔ ۱۱۹۹ھ[۱۸] کو اسی شہر میں میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا ۔ چنانچہ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے بھائی میر اثر میرے سجادہ نشین ہوں گے ۔ اس کے بعد میرا لخت جگر ، ضیاء الناصر المتخلص بہ الم ہوگا ، اور ۲۴ صفر ۱۱۹۹ھ کو بوقت صبح صادق بعمر ۶۶ سال واصل بحق ہوئے ۔ بحالت نزع آپ کی زبان پر یہ مصرع جاری تھا :

درد ہم جاتے ہیں اور چھوڑے اثر جاتے ہیں[۱۹]

مزار پر تاریخ ولادت و وفات کندہ ہے اور حسب ذیل رباعی بھی :

خورشید ضمیر خواجہ میر درد است   ہم بدر منیر خواجہ میر درد است
ہم میر و فقیر خواجہ میر درد است   ہم مرشد و پیر خواجہ میردرد است

تصنیفات : ۱۔ رسالہ اسرار الصلواۃ ۔ ۲۔ نالۂ درد (۱۱۹۰ھ)[۲۰] ۔ ۳۔ آہ سرد (۱۱۹۳ھ) ۔ ۴۔ سوز دل ۔ ۵۔ درد دل ۔ ۶۔ شمع محفل (۱۱۹۵ھ) ۔ ۷۔ حرمت غنا ۸۔ واقعات درد (۱۱۷۲ھ) ۔ ۹۔ علم الکتاب (شرح صحیفہ واردات درد) (تصنیف ۱۱۷۹-۱۱۸۰ھ) ۔ ۱۰۔ دیوان فارسی (مطبوعہ ۱۳۰۹ھ دہلی) ۔ ۱۱۔ دیوان اُردو مطبوعہ معہ مقدمہ مولانا حبیب الرحمان شروانی (نظامی پریس بدایوں) ۔ نالۂ درد میں ۳۴۱ نالہائے درد ، اسی طرح آہ سرد میں ۳۴۱ آہیں ، درد دل میں ۳۴۱ درد ، اور شمع محفل میں ۳۴۱ نور بلحاظ لفظ ناصر بدر خود التزام رکھا ہے ۔ ان

۱۶۔ میخانۂ درد ، ص ۱۴۹ ۔
۱۷۔ ایضاً ، ص ۱۶۵ ۔
۱۸۔ ایضاً ، ۱۶۴ ۔
۱۹۔ دیوان اردو ، مرتبہ حبیب الرحمان خاں شروانی ، ص ۵ ۔
۲۰۔ نالۂ درد و آہ سرد وغیرہ بموجب بیان حبیب الرحمان خاں شروانی طبع و شائع ہو چکی ہیں ۔ مقدمہ دیوان درد (اُردو) مطبوعہ ۱۹۲۲ ، ص ۴ ۔

میں شرح صحیفہ واردات درد الموسوم بہ علم الکتاب[۲۱] ضخیم تصنیف ہے جس کو نواب نور الحسن خاں خلف علامہ صدیق حسن خاں نے سنہ تصنیف سے ایکسو گیارہ سال بعد ۱۳۰۹ھ میں بڑے اہتمام سے مطبع انصاری دہلی سے طبع اور شائع کرایا تھا جس میں حکیم مولوی میر شاہجہان کابلی کی عالمانہ تقریظ شامل ہے۔

علم الکتاب ایک بحر ذخار ہے۔ ایکسو گیارہ واردات گویا فصول پر مشتمل ہے اور ہر فصل ایک جامع لفظ براعت استہلال سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں آپ نے دو سو بائیس فارسی رباعیات کی شرح لکھی ہے اور ہر فصل کے اول و آخر میں ایک ایک رباعی نقل فرمائی ہے۔ رباعیات کی ایسی مدلل ضخیم شرح شاید ہی ہو۔ ہم یہاں اس تصنیف کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

احاطہ وجود: قرب کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں[۲۲] کہ حق سبحانہ ہر مخلوق سے زیادہ نزدیک ہے، کوئی چیز اور کوئی شخص اس سے زیادہ قریب نہیں ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ جو نسبت رکھتا ہے وہ ایسی ہے کہ خود شے کی ذات سے بھی زیادہ وہ شئے سے قریب ہے۔ اقربیت کی اس نسبت کا ماخذ کلام اللہ کی یہ آیت ہے: نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں)۔ خود قرب کی نسبت یہ آیت بھی ہے: اذا سئلک عبادی عنی فانی قریب (اے میرے بندے جب تو مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں تجھ سے یقینی طور پر نزدیک ہو جاتا ہوں)۔ ان نسبتوں کا علم اور عرفان قرب و اقربیت کے ان مقامات سے مشرف ہونے پر موقوف ہے، جو تقرب الٰہی کے مراتب ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرب کی دو قسمیں ہیں: ایک تو قرب وجوبی ہے اور دوسرا قرب امکانی۔ قرب وجوبی کی نسبت حق سے خلق کی طرف ہے اور قرب امکانی کی خلق سے حق کی طرف نسبت کا نام ہے۔ قرب وجوبی وہ نسبت ہے جو حق تعالیٰ کو تمام موجودات ممکنہ سے حاصل ہے۔ متذکرۂ صدر آیات شریف یعنی نحن اقرب اور انی قریب در اصل اسی قرب کی خبر دیتے ہیں جو سب کے ساتھ ہر وقت اور بالالتزام موجود ہے۔ جہاں تک قرب امکانی کا تعلق ہے، وہ ایسا تعلق ہے جو بندے کا اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے اور علماً ہوتا ہے، چنانچہ آیت ''واسجد و اقترب'' کے الفاظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ یہ قرب ممکن بعض کو بعد وسعت اور دوسروں کو نہیں۔ دراصل یہ مرتبہ عبودیت سے مختص ہے، اس لیے حق تعالیٰ کے بندوں کے لیے قرب وجوبی سے زیادہ نافع، مفید اور افضل ہے۔ نیز یہ قرب ان کی

۲۱- میخانہ درد، ص ۱۷۶ -
۲۲- علم الکتاب، ص ۱۶۶ -

خوبیوں میں داخل ہو جاتا ہے جو کمالات رحانی میں سے ہے ۔ قرب وجوبی تو ہر شجر و حجر کو حاصل ہے تو اس سے پھر انسان کو کیا امتیاز ہے ؟ جب قرب وجوبی کے ساتھ قرب امکانی بھی میسر ہو تو دوسروں کو جو قرب میسر ہے ، اس سے کہیں زیادہ حق تعالیٰ سے انکا قرب ہوتا ہے اور یہ ''یحبھم و یحبونہ'' کے مرتبہ سے سر فراز اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے شرف سے مشرف ہو جاتے ہیں ۔

اس قرب کے مراتب بندوں میں استعداد ، ملکہ ، خیرات اور ادراک کے تفاوت سے بہت ہیں ۔ جب یہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو قرب وجوبی کے مثل ہو جاتا ہے ، پھر اس کے زوال کا خدشہ نہیں رہتا ، خواہ حالت خواب ہو یا بیداری ، قبض ہو یا بسط ، اضطرار ہو یا سکون ، صحت ہو یا مرض ، زندگی ہو یا موت ، غرض کسی حالت میں اس میں ضعف نہیں آتا ۔ قرب کا یہ استقلال کمالات نبویہ میں سے ہے ۔ قرب ِ ولایت میں یہ استقامت نہیں ہوا کرتی ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قوی نسبت انبیاء علیہ السلام کے ساتھ موقوف ہے اور وہ معزول ہونے والی ہستیاں نہیں ہیں ۔ بیچارے اولیاء اللہ[۲۳] تو عزل ونصب کے خطرات سے ہر وقت دو چار ہیں ۔ چنانچہ ان کی نسبت وہ استواری اور استحکام نہیں ہوتا ۔ ولایت اپنی کنہ میں مریدی اور اخلاص کی نسبت ہے : ان المخلصین علٰی خطر عظیم (تحقیق کہ مخلص لوگ بڑے خطرے میں ہیں) ۔ اس سے متفارق کمالات نبوت کی نسبت مرادی اور اجتباء (پسندیدگی) ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : واللہ یجتبی من عبادہ من یشاء (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پسند کر لیتا ہے) ۔ اس وجہ سے اس نسبت میں زوال کا خطرہ نہیں ہے ۔ دوسری نسبت جس میں اولیاء آتے ہیں ، وہ تغیر سے خالی نہیں ۔ اس کی بناء اخلاص ہے اور بندہ سر تا سر تغیر پذیر ہے ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے : ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم (تحقیق اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ بذاتہ خود کو نہ بدلے) ۔ یہ حکم اہل مریدیت کے حق میں اور ان کی تغیر پذیری کے بارے میں ہے ۔ وہ اپنے تغیر و تبدل کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں ، کیونکہ ایک طرف کے تغیر سے طرفین کی حالت میں تغیر ہو جاتا ہے ۔ اہل حق جو مرادی (نسبت) رکھتے ہیں ، وہ ہمیشہ اپنے مرید حقیقی کی حمایت کے سایہ میں ہیں ، کیونکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے : انی یخاف الذی المرسلون ۔

۲۳- علم الکتاب ، ص ۱۶۷ ، مطبوعہ ۔

جاننا چاہیے کہ بارگاہ اقدس سے مقرب بندوں کا قرب دو طرح پر ہوتا ہے[۲۴]: ایک کسبی جو کسب و سلوک کی راہ طے کرنے سے نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا قرب عام اولیاء اللہ اور ایسے سالکین کو جن کا ابھی سلوک ناتمام ہے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ مقرب اشغال و اذکار کی مداومت اور تصورات و تخیلات کی تصحیح سے مشروط ہے، اور ارادی افعال و قوت فکر سے متعلق ہے۔ قرب کی دوسری قسم وہ ہے جو غیر کسبی ہے۔ یہ حضرات انبیاء سے مخصوص ہے اور اس کے لیے کسی ریاضت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان میں سے ہر ایک کی پھر دو دو قسمیں ہیں۔ چنانچہ قرب کسبی کی ایک قسم کسب تفکری ہے جو تنہا علم و معرفت، جودت ذہن اور قوت عقل کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ لطیف کیفیتوں اور توجہ کے لائق احوال مثلاً وحدت کا کثرت میں مطالعہ، نیز مرتبہ اطلاق کا حصول، اضافات اور اعتبارات کی نفی وغیرہ سے گزر جانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس کے وسیلے سے تعینات پر سے نظر بلند ہو جاتی ہے۔ قرب کسبی کی دوسری قسم قرب تذکری ہے۔ یہ تصفیہٴ قلب، ریاضت اور مجاہدات سے حاصل ہوتا ہے۔ ان ریاضتوں اور مجاہدوں میں عجیب عجیب مکاشفات اور احوال نادر مثلاً نوری و صوری تجلیات، تجلی فعلی و تجلی صفاتی اور قلب کا ماسویٰ سے پاک صاف ہونا اور اس ذات برتر و اعلی کی توجہ وغیرہ سے مستفیض ہونے لگتا ہے۔ اگر قربت عروجی کیفیات کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ کے مرتبہ جمع سے واردات نازل ہونے لگیں تو اس سے مقام جمع کا پتہ چلتا ہے اور یہ قرب قرآنی کہلاتا ہے۔ اگر وہ نزولی کیفیات سے مستفیض ہے اور اس کے قلب پر مرتبہ فرق سے، جو حق تعالیٰ کا مرتبہٴ صفات ہے، واردات صادر ہو رہی ہیں، تو یہ مقام مرتبہٴ جمع کے بعد فرق کہلاتا ہے جو قرب فرقانی سے موسوم ہے۔

اگر قرب قرآنی نفس ملکیہ یعنی فرشتوں کے توسط سے حاصل ہو تو یہ قرب قدوسی ہے لیکن اگر ایسا قرب تصفیہ قلب کی وجہ سے ہے تو یہ قرب قدسی ہے۔ اگر قرب فرقانی مخلوقات پر حق تعالیٰ کی شہادت دینے والا ہے تو یہ قرب محکم ہے اور اگر خالق کی طرف سے حق کی جانب اشارات کا کاشف ہے تو یہ قرب متشابہ ہے۔

حق تعالیٰ اپنے کمال ظہور کی وجہ سے بلا کسی تشبہ کے نظروں سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شعاعوں کی شدت کی وجہ سے خود

۲۴- علم الکتاب، ص ۱۶۷ -

آفتاب (قرص آفتاب) پر ، کثرت تجلیات کے باعث ہماری نظریں نہیں پڑتیں ، اس لیے وہ باری تعالیٰ نظر نہیں آتا ۔ چنانچہ شدت ظہور کی وجہ سے وہ بالکل پوشیدہ ہو گیا ہے اور ظاہر میں تو وہی ہے جو باطن میں ہے ، بقول حق سبحانہ تعالیٰ : ھو الظاھر و الباطن (وہ ظاہر ہے اور باطن ہے) ۔

خواجہ میر درد نے علم اور وجود میں فرق کرتے ہوئے یہ نکتہ ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے علم میں قریب ہے مگر بلحاظ وجود اقرب ہے ۔ اس کی دلیل انھوں نے یہ دی ہے کہ علم تو ایک صفت ہے جو موصوف سے ظاہر ہوتی ہے جب کہ موجود میں سوائے ''وجود'' کے اور کچھ نہیں ۔ بقول سبحانہ تعالیٰ : ان اللہ بکل شئی محیط (بے شک اللہ ہر شے پر محیط ہے) ۔

چنانچہ جو کچھ موجود ہے وہ حضرت وجود کے احاطہ[۲۵] سے باہر نہیں اور ہر شئے اس کے ظہور (شہادت) کی وجہ سے شہود میں آتی ہے بموجب آیہ کریمہ : و اللہ علی کل شئی شہید (اور اللہ بے شک ہر شئے پر گواہ ہے) ۔ اوپر کی آیت سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ ہر ایک شئے کے ساتھ جو موجود ہے گویا اوس پر محیط ہے ، کیونکہ لفظ موجود وجودی اسم مفعول ہے اور جو چیز معرض وجود میں آتی ہے مع اپنے ظاہر اور باطن کے احاطہ وجود میں داخل ہے جس طرح کہ موجودیت ، وجود کے ضمن میں موجود ہے ۔ موجودیت کا ظہور بھی ظہور وجود کے ضمن میں ہے اور فطرت وجود کے ظہور (شہادت) کی وجہ سے تمام مشہودات عالم ظہور میں آئے ہیں ۔ اسی لیے حکماء نے وجود کو بدیہی اولیٰ کہا ہے ۔ چنانچہ مدرک اول وہی ہے اور تمام موجودات کا وجود اسی سے ہے ، جیسا کہ اوپر گزرا ۔ وجود بدیہی اول ہے ۔ بدیہی اس کو کہتے ہیں جس کے علم کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہ ہو اور نظری وہ ہے جس کی شناخت دلیل سے ہو ۔ سچ پوچھیے تو وجود کو بدیہی کہنا بھی الفاظ کی کوتاہ دامنی ہے ۔ خود بداہت کا ہونا وجود سے ہے اور اسی سے ظاہر ہوئی ہے ۔ بداہت وجود کی صفت ہے جو اپنے موصوف سے قائم اور ظاہر ہے ۔ اس لیے وجود ایک امر بدیہی ہے جو محتاج دلیل نہیں ۔ جس طرح کہ نور سب سے پہلے نظر آتا ہے ، پھر ہر شئے بعد میں اسی کے ظہور کے تحت دکھائی دیتی ہے ، اسی لیے وجود کا پہلے ادراک ہوتا ہے اور پھر اس کے ضمن میں موجودہ چیز کی ماہیت کا پتہ چلتا ہے ۔ لیکن قوت مدرکہ پر مظاہر کا پردہ پڑ جاتا ہے اور وہ پہلے دکھائی دینے والی حقیقت سے غفلت میں پڑ جاتی ہے ۔ خود نور کے ادراک میں بھی یہی ہوتا ہے ۔

۲۵- علم الکتاب ، ص ۱۶۸ ۔

خواجہ میر درد نے دقت نظر سے مسئلہ "انا" سے بحث کی ہے اور اس کو بھی انھوں نے ایک نسبت سے تعبیر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ انانیت سے مراد شعور ہستی ہے ، انا اثنینیت کا منشاء ، دوئی اور غیریت ہے اور یہ شعور ہستی یا انا کے ساتھ ہے - ہستی کا علم ایک مرتبہ ہے اور یہ دوسرا مرتبہ ہے - اس میں اثنینیت ہے - پہلا مرتبہ محض ذات ہے جو عین وجود ، عین علم ، عین سماعت اور عین بصر ہے - یہ مرتبہ ثانی "انا کے مرتبہ" سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے ، یہ احدیت بحت ہے ، اس میں کسی دوئی یا اثنینیت کی گنجائش نہیں -

مرتبۂ ثانی جس کا مرتبہ اثنینیت ہے ، فی‌الحقیقت اپنی کنہ میں علم سے معروف ہے ، تاکہ معلوم علم کی صورت سے معرض وجود میں آئے - یہ صفت کے مراتب میں داخل ہے اور اسی اثنینیت کے مفہوم کو متقدمین نے وحدت سے تعبیر کرکے کثرت کا منشاء بیان کیا ہے اور اس سے جو مغائرت ہوتی ہے اس کا نام کثرت رکھا ہے اور اس کو اجمال (منشاء) کی تفصیل قرار دیا ہے اور کثرت کو موہوم اور وحدت کو موجود مانتے ہیں - اس کی مثال شعلۂ جوالہ ہے جو بظاہر ایک دائرہ معلوم ہوتا ہے مگر وہ صرف ایک نقطہ (شعلہ) ہوتا ہے جو رفتار کی شدت کی وجہ سے دائرہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح وہ وجود ایک وحدت ہے جو مراتب کثرت میں ظہور پذیر ہوتی ہے - چونکہ وحدت اور کثرت کا قریبی تعلق ہے اس لیے وحدت کثرت میں اور کثرت وحدت میں جلوہ گر نظر آتی ہے -

خواجہ میر درد فرماتے ہیں کہ جس طرح وجود حق سبحانہ واحد اور یکتا ہے باوجود اس کے کہ اس کا موجودات عالم میں مختلف نوعیت سے ظہور ہے مگر موجودات پر وجود کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا - اسی طرح اس کا مختار ہونا بھی اس کا ایک اختیار ہے جو اپنے مظاہر میں موجودات کے اختیار کی صورت سے جلوہ گر ہوا ہے اور یہ اختیارات موجودات کے اختیارات میں داخل نہیں ہیں - حق سبحانہ تعالیٰ اپنے اختیار سے جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو بات خیر سے متعلق ہوتی ہے اس کو اختیار کر لیتا ہے - اللہ تعالیٰ شرکت سے پاک ہے - کلام الٰہی کے اصل الفاظ یہ ہیں : و ربک یخلق مایشاء و یختار ماکان لہم الخیرة ، سبحان اللہ عما یشرکون - ان اختیارات مجازی کے رکھنے والوں کے اعمال اور اُن کے نتائج کی ذمہ داری انھیں پر ہے جو مختار حقیقی کے مفعول کی حیثیت رکھتے ہیں اور انھیں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : لایسئل عما یفعل و ہم یسئلون اور جو اشخاص اپنی کورانہ عقل کے ماتے ہیں ، انھوں نے موجودات کو بھی خود وجودات سمجھ رکھا ہے -

اگر وہ یہ کہیں کہ بخیرات کو بھی اختیارات حاصل ہیں تو یہ چیز ان کی کوڑمغزی پر دلالت کرتی ہے[۲۶]۔

اسی طرح اگر وہ اپنے اختیار اعتباری کو بھی اپنی طرف منسوب کر لیں تو بجا ہے اور اگر وجود حقیقی کو مدنظر رکھ کر اختیار حقیقی کو بھی اسی سے متعلق کر دیں تو یہ بھی بالکل جائز ہے ، اس لیے کہ ہر جگہ اسی وحدت حقیقی کا جلوہ ہے اور یہ کثرت جو نظر آتی ہے وہ تمھارے توہم سے زیادہ کوئی اور چیز نہیں ۔ وہی ایک وجود حق جلوہ گر ہے ، خواہ کسی رنگ میں جلوہ گر ہو ۔ رباعی خواجہ میر درد :

از شادی و غم ہر چہ در امکاں شمری　از واہمہ حضرت انساں شمری
در باغ ظہور چوں گلت آوردند　خواہی دلریش خواہ خنداں شمری

کہتے ہیں کہ شادی اور غم موہوم اور اعتباری ہے ۔ حق تعالیٰ کی عنایت سے تم اس چمن میں ایک لہلہاتے ہوئے پھول کی طرح عالم وجود میں آتے ہو اور ہست نما دکھائی دیتے ہو مگر اصل میں موجود تو وہی ہے جس کو وجود کہتے ہیں ۔ ان اعتبارات موہوم کا صرف نام ہی نام ہے جن کو تمھارے علم میں سمو دیا گیا ہے ۔ چنانچہ فی نفسہ پھول خود بخود موجود ہے ، نہ تو وہ کھلکھلا کر ہنس رہا ہے اور نہ دلریش ہے ۔ اس لیے اگر اس کو چاک چاک ہونے کے اعتبار سے غم دیدہ تصور کیا جائے تو یہ بھی جایز ہے اور اگر شگفتگی کے لحاظ سے کھلکھلاتا ہوا کہا جائے تو یہ بھی بجا اور درست ہے ۔ غرض رباعی مذکورہ میں خواجہ میر درد نے پھول کی چاک دامانی اور شگفتگی کی جو مثال پیش فرمائی ہے وہ جبر اور اختیار کے مبحث کے اعتبار سے نہایت مناسب اور حسب حال ہے جس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ در حقیقت حق تعالیٰ کو ایسا ہی اختیار حاصل ہے ، جو مخفی نہیں اور وہ تمام افعال میں جلوہ گر ہے ۔ اس لیے اگر مجازاً ان افعال کو بندوں کی طرف منسوب کیا جائے تو وہ بھی درست ہے اور اصل حقیقت کے لحاظ سے ان افعال کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کریں تو اس سے بھی کوئی قباحت لازم نہیں آتی اور اس کے نتائج اختیار پر نظر رکھنے والے یا اس کے اختیار کرنے والے کے گمان کے مطابق مترتب ہوں گے ۔ بقول حدیث نبوی : انا عندالظن عبدی بی ، فلیظن بی ماشاء[۲۷] (میں تو اپنے بندہ کے گمان سے بھی

۲۶- علم الکتاب ، ۳۷۲ ۔
۲۷- علم الکتاب ، ص ۳۷۳ ۔

قریب ہوں ، جو وہ چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے) ۔ یہ وہم انسانی کی اسی شراکت کی وجہ سے ہے جو اس کے علم سے متعلق ہے ۔ اسی لحاظ سے اس کو ظن و گمان سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ بندوں کا علم اصلی معنوں میں علم نہیں بلکہ گمان ہے ، ان کے معلومات گمان سے کم نہیں اور ان کے معتبرات موہومات کی حیثیت رکھتے ہیں ، حقیقی علم تو حق تعالیٰ کا ہے ، معلومات اسی بزرگ و برتر وسیع النظر ذات کی علمی صورتیں ہیں اور جس کو وہ بقول خود : علمناہ من لدنا علما جس کو اس علم سے نوازنا چاہتا ہے نوازتا ہے ۔ اس سے بہرہ اندوز ہونے کے بعد ایک عارف اپنے وہم و گمان سے آزاد ہو جاتا ہے ۔ اس منزل میں اس کا گمان اس کے حق میں علم الیقین کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے ، شک و تردد اس کے دل سے کافور ہو جاتا ہے ۔ غرض ہر چیز کا فرق و امتیاز[۲۸] علم ہی سے کیا جا سکتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرق و امتیاز کرنے کی صلاحیت انسان کے اختیار کے ہاتھوں میں رکھی ہے ۔ اس لیے قوت ممیزہ نے افعال نیک و بد کی تہمت کا ہر شخص کو ذمہ دار قرار دے دیا ہے ۔ چونکہ اختیار ایک فعل بالارادہ ہے اور ارادہ کا علم امتیاز سے متعلق ہے ، اسی بناء پر عنان اختیار امتیاز کے ہاتھ میں ہے ۔ چونکہ تمام اضافات کو ممیز کرنے والی چیز قوت امتیاز[۲۹] ہے ، اس لیے افعال کے اضافت کی نسبت کو مشخص کرنا قوت امتیاز کے سپرد کر دیا گیا ۔ اس طرح فاعلان مجازی کے افعال کی نسبت کو ''تہمت'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ فی الواقعی مجازی اختیار رکھتے ہیں ۔ اختیار حقیقی سے ان کو کوئی تعلق نہیں ۔ وحدت الٰہی فی الحقیقت نہ تو کثرت کے توہم کا باعث ہوئی اور نہ ان کے دماغی توازن کے انتشار اور تفرقہ کا سبب بنی بلکہ خود ان کے حقائق ممکنہ جن کا تعلق مرتبہ کثرت سے ہے ، اس واحد حقیقی کے مرتبۂ باطنیت کو اپنے آئینوں میں کثرت کی شکل میں دیکھ کر پریشان ہو گئے اور اپنے مرتبۂ انفس کی حیثیت کو گرفتاری کے جال میں پھنسا دیا اور اپنی دوبینی کے نقص کی وجہ سے اپنے اختیارات کا مشاہدہ کیا کرتے ہیں اور ایک ہی فرد حقیقی کا اختیار ان کی نظروں میں نہیں بھاتا ۔ اختیار حق تعالیٰ کی ذات ہی سے مختص ہے جو اس کی قدرت کاملہ ہے اور حق جل شانہ کے مقدورات میں مضمر ہونے کی وجہ سے نظروں سے پوشیدہ ہی رہتا ہے ، جس طرح کہ اس واحد حقیقی کا وجود موجودات میں دائر و سائر ہونے کے باعث اس طرح مخفی ہو

۲۸۔ علم الکتاب ، ص ۳۷۳ مطبوعہ ۔

۲۹۔ علم الکتاب ، ص ۳۷۳ مطبوعہ ۔

گیا ہے کہ وہ نظر ہی نہیں آتا ۔ وجود حق تو ایک ہی ہے اور اس کا اختیار بھی ایک ہے ، جو اس کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ۔ قوت ممیزہ نے ہر شخص کے اختیار کو متفرق امتیازات سے ظاہر کرکے اس کو اسی شخص سے منسوب کر دیا ہے اور ان کو بے شمار تشخصات کی صورت میں لاتعداد بنا دیا ہے ، کیونکہ علم کثرت کا مبدا ہے ۔ چونکہ بادی النظر میں ہر شخص کے تشخص ذاتی کا منہج بلحاظ جزئیت علیحدہ ہے اس لیے ہر شخص اپنے اپنے خاص تشخص سے منسوب ہو گیا اور اس تشخص سے اس کو ایک نسبت پیدا ہو گئی ۔ جس قدر بھی اختیار اگر کسی شخص میں موجود ہے تو وہ مجازاً اسی شخص کا حصہ ہے ۔ چنانچہ شطرنج کی بازی میں اگر تم غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر مہرہ کی چال مجازی اعتبار سے اسی مہرہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اگرچہ درحقیقت مہروں کی چال شاطر کے افعال پر موتوف ہے ۔ مگر شطرنج کی اصطلاح میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہاتھی کی چال یہ ہے اور گھوڑا اس طرح چلتا ہے ، بادشاہ فلاں گھر میں آ گیا اور وزیر فلاں گھر میں جانے والا ہے اور ان کی چالوں کی حرکات یعنی کسی مہرہ کا پٹ جانا یا اس کو مقید کر دینا محض ایک اعتباری فعل ہوتا ہے ۔ اسی طرح دوسری قسم کی اضافتیں انھیں اعتباری فاعلوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ گھوڑا پٹ گیا اور بادشاہ زد میں آ گیا ، وزیر کا گھر بند ہے علی ہذا القیاس ۔ اس قسم کے اعتباری امور کی نسبت مہروں کی طرف کی جاتی ہے اور شاطر کی ذات ان اضافتی نسبتوں سے مبرا ہوتی ہے اور وہ بالکل الگ تھلگ متصور ہوتا ہے ۔ صفات جلالی اور جمالی کی مثال بعینہ دو شاطروں کے مانند ہے اور شطرنج کے مہرے ان کے مظاہر ہیں اور کائنات گویا ایک بساط شطرنج ہے ۔ مظاہر کی فراوانی یا کمی کی وجہ سے صفت جلال کی بازی کو غلبہ ہو جاتا ہے اور کبھی جمال کو تفوق حاصل ہو جاتا ہے ۔

غرض خواجہ میر درد نے اس خصوص میں اپنی تمام تقریر کا نتیجہ اور خلاصہ بیان فرمایا ہے ، یعنی جبر و اختیار کے مسئلہ میں ارادہ ، فعل اور اختیار اور ایجاب کے صحیح مفہوم کے بعد حقائق وجوب اور امکان کے متعلق جوکچھ عقلاً اور نقلاً ثابت ہوا ہے اور عرفان اور تحقیق کی رو سے منکشف ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اختیار حقیقی حق سبحانہ کو حاصل ہے جو تمام مخیرات یعنی صاحب اختیار اور مقتدر افراد میں دایر و سایر ہے اور اس کا اختیار سب پر غالب ہے ، بدلیل آیۃ کریمہ : واللہ غالب علی امرہ و یفعل مایشاء و یحکم ما یرید ۔ اختیار مجازی سے اس کے بندے بھی بہرہ ور ہیں ، اگر ایسا نہ ہو تو دنیا میں ان کے اعمال نیک و بد کی باز پرس کوئی معنی نہیں رکھتی اور نہ آخرت میں حساب و کتاب ، عدل و انصاف کا سوال

باقی رہ سکتا ہے - بہرحال اختیار کے اعتراف اور اس کے مقابلہ میں بے اختیاری بھی موجود ہے اور اختیار کے اقرار میں جبر کا ہونا لازمی ہے - اس لیے بقول امام جعفر صادق لا جبر و لا قدر لکن امر بین الامرین (یعنی نہ محض جبر ہے اور نہ صرف قدر بلکہ جبر بھی ہے اور قدر بھی) -

اس مبحث کی حقیقت اور مقصد وہی ہے ، جس طرح کہ بعض مباحث میں ضدین کے سلب سے متعلق متنازعات پیدا ہو جایا کرتے ہیں - چنانچہ ہمارے علماء کرام نے ذات اور صفات الٰہی کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ نہ تو عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات ہی ہیں - ایسی صورت میں چار احتمالات پیدا ہو جاتے ہیں : پہلی چیز ان دونوں اعتبارات کی نفی کرنا کہ وہ نہ تو ایسا ہے اور نہ ویسا ہے - دوسرے یہ کہ ان دونوں امور کے اثبات سے یعنی ایسا بھی ہے اور ویسا بھی ہے ایک قسم کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے - تیسرا احتمال یہ ہے کہ کسی چیز کا اثبات تو ایک وجہ سے اور دوسری چیز کا اثبات کسی اور طرح سے ہو جاتا ہے - چوتھا احتمال یہ ہے کہ ایک حیثیت سے تو ایک چیز کا اثبات اور دوسری صورت سے دوسری چیز کی نفی کی جائے یعنی ایک وجہ سے تو ایسا ہے اور دوسری حیثیت سے ایسا نہیں ہے - غرض نہ تو صرف جبر ہی ہے اور نہ محض اختیار ہے - اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان اعتبارات اور اضافات کی کچھ حیثیت نہیں بلکہ وہی ایک نفس حقیقت ان تمام چیزوں میں شامل ہے - اس تمام قضیے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ''امر بین الامرین'' یعنی ایک ہی اختیار ، دونوں اعتبارات میں شامل اور دایر و سائر ہے - نیز مرتبہ مجازی اور اعتباری میں تمام مجازی اور اعتباری دونوں امور مجموعی طور پر ثابت ہیں اور ہر ایک کی حیثیت کے لحاظ سے ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے یعنی ایک وجہ سے اختیار اور دوسری وجہ سے جبر ثابت ہے -

خلاصہ یہ کہ تمام موجودات کا ظہور حق سبحانہ تعالیٰ کی ایک رحمت عام ہے - اگر تم پر یہ راز منکشف ہو جائے تو یہ کہنا : اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کوئی حد و حساب نہیں اور نہ ان کا شمار کرنا انسان کے بس کی بات ہے - اس فقرے سے بھی نتیجہ یہی اخذ ہوتا ہے کہ اختیار حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سزاوار ہے اور جو کچھ اس کائنات میں وجود پذیر ہوا ہے ، وہ سب حق تعالیٰ کی مشیت پر مبنی ہے - جب تمہارے دل میں قضاے الٰہی پر راضی رہنے کی عادت راسخ ہو جائے اور تمام افعال الٰہی کی خوبیاں تم میں مشہود ہونے لگیں اور محبت و ولایت کا رشتہ حق تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہو جائے تو یہ سب تمہارے لیے باغ و بہار اور خوشی و مسرت کا سبب بن جائے گا - تم خود

اپنے حق میں حق تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے جس کا احاطہ ناممکن ہے ۔ اگر تم خود ہی اپنے نفس پر ظلم کرو تو پھر اس کا علاج ہی کیا ہے اور اس کی رحمت کو غضب تصور کرو گے تو تم گویا خود ہی دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑے یا کانٹوں میں الجھ کر رہ گئے ۔ کبھی تم کو اس کے شکوہ اور شکایت سے چھٹکارا حاصل نہ ہوگا ۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ولا یزید الظالمین الا خسارا (یعنی ان ظالموں کو سوائے خسارے کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا) ۔

تذکرہ شعرائے کشمیر

از

مرزا محمد اصلح

یہ تذکرہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں لکھا گیا ۔ لیکن مدت تک نظروں سے اوجھل تھا ۔ سید حسام الدین راشدی نے اس کو کمال خوبی و جان فشانی سے ایڈٹ کیا ہے ۔

صفحات ۴۶۶ ، دبیز کاغذ انڈکس معہ مقدمہ قیمت ۳۰ روپے

تذکرہ شعرائے کشمیر

مرتبہ : سید حسام الدین راشدی بخش اول تا چہارم

تذکرہ شعرائے کشمیر کی چاروں جلدیں جن میں ''الف'' سے ''ی'' تک کے شعراء کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے ۔ ایک نایاب تحقیقی مجموعہ جو پاکستان میں اپنی قسم کی پہلی چیز ہے ۔

سائز : ۲۰ × ۲۶/۸ قیمت فی جلد : ۳۰ روپے

اقبال اکادمی ۔ کراچی